حدیث کی تشریعی حیثیت میں امام طحاوی کا اسلوب

The style of Imam Tahawi in the legislative status of hadith

Dr. Hafiz Farhan Arshad
Assistant Professor, Department of Uloom e Islamia.
GIFT University, Gujranwala.
farhan.arshad@gift.edu.pk

Abstract

The Quran and Hadith are intricately connected. The Quran is the book of Allah, and Muhammad ﷺ serves as its first commentator. This role as the primary interpreter of the Quran is unique to the Messenger of Allah, ﷺ, and no one from the Ummah shares this distinction. Muhammad's ﷺ interpretation of the Holy Quran is definitive, and every Muslim must adhere to it. The teachings of the Quran regarding religion and Shariah are fundamentally principled. Consequently, Rasulullah ﷺ holds the greatest authority in interpreting the Quran, and no interpretation other than his is considered valid. Therefore, after the Book of Allah, it is essential to refer to Hadith and Sunnah. No one has the authority to interpret the Quran more than the Prophet, and no interpretation can be accepted that contradicts his. Imam Tahawi has beautifully illustrated the interpretive significance of Sunnah with various examples.

KEYWORDS: Interpret, Imam Tahawi, Quran, Hadith, Sunnah, Sharia

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تا کہ وہ مخلوق کی خالق کائنات کی عبادت کی طرف رہنمائی کریں۔ یہ سلسلہ آدمؑ سے شروع ہو کر محمد ﷺ پر مکمل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ پر اترنے والی وحی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے: قرآن مجید اور احادیث۔ اسلامی شریعت میں حلال و حرام، امر و نہی صرف وہ نہیں جو محض قرآن میں بیان کیا گیا ہے، بلکہ جن چیزوں کی نبی اکرم ﷺ نے تحلیل یا تحریم کی ہے، یا جن چیزوں کا حکم دیا یا منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کا حصہ ہیں۔ اس طرح قرآن اور حدیث دونوں خداوندی قانون کا جزو ہیں۔ قرآن اور حدیث کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ حدیث کی اہمیت اور تشریعی حیثیت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی پیروی اور اس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں حدیث رسول ﷺ کو دلیل اور حجت کی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت مقدام بن معدی کرب الکندي سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: عنقریب ایک شخص آئے گا وہ اپنے تخت پر ٹیک لگا کے بیٹھا ہو گا اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے گی اور وہ جواب میں کہے گا، ہمارے اور تمھارے درمیان کتاب اللہ کافی ہے اس میں جو اشیاء ہم حلال پائیں گے وہی حلال سمجھیں گے اور جو حرام پائیں گے اُسے ہی حرام جانیں گے، (نبی پاک نے فرمایا) خبر دار! اور بیشک اللہ کے رسول نے جو حرام کیا ہے وہ بھی اللہ کے حرام کردہ کی طرح ہے[1]۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ احادیث بھی اللہ کی طرف سے ہیں جس طرح قرآن پاک اللہ کی طرف سے ہے۔

۲۔ جس طرح قرآن پاک احکام کے لیے حجت ہے اسی طرح احادیث مقدسہ بھی احکام شریعت کے لیے حجت ہیں۔

۳۔ جس طرح قرآن پاک پہ عمل لازم ہے اسی طرح احادیت پر عمل بھی ضروری ہے۔

رسول خدا (ﷺ) کا یہ ارشاد پاک حجیتِ حدیث کے اثبات میں بالکل صریح ہے کیوں کہ اس حدیث کے جملہ "اُوتیت الکتاب ومثلہ معہ" میں "الکتاب" سے قرآن مجید، اور "مثلہ" سے حدیث ہی مراد ہے، اس حدیث میں اللہ کے رسول (ﷺ) نے واضح فرمایا ہے کہ آپ کی حدیث سے اعراض جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث سے اعراض قرآن مجید سے اعراض کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾[2] جو کچھ تمھیں رسول دیدے اس کو لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جایا کرو ۔

---

1 "عن المقدام بن معد يكرب الكندي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يوشك الرجل متكئا على أريكته، يحدث بحديث من حديثي، فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله عز وجل، فما وجدنا فيه من حلال استحللناه، وما وجدنا فيه من حرام حرمناه، ألا وإن ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ما حرم الله"۔ محمد بن عیسی بن سورۃ ترمذی، ابو عیسی (م:279ھ)، سنن الترمذی (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، 1975ء)؛ أَبْوَابُ الْعِلْمِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابُ مَا نُهِيَ عَنْهُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ حَدِيثِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، رقم الحدیث:2624، ج5 ص38۔

2 الحشر، 7:59۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اے لوگو! میری بات میں غور و فکر کرو، کیونکہ میں نے تمھیں دین پہنچا دیا ہے اور میں تم میں اس چیز کو چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی وجہ سے تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے، اور وہ چیز ہے، "اللہ کی کتاب، اور اس کے نبی کی سنت[3]۔

قرآن اور حدیث کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ یہ واضح ہے کہ "کلام اللہ" اور "حدیث رسول اللہ" دونوں آپس میں جڑے ہوئے ہیں، اور اسلامی قوانین کی تکمیل ان دونوں کے بغیر ممکن نہیں۔ حدیث قرآن کے مقاصد کی وضاحت کرتی ہے اور اس کے احکام کی تکمیل کرتی ہے، لہذا ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اور حدیث کا یہ باہمی تعلق بتاتا ہے کہ دین اسلام میں حدیث کی حیثیت تشریعی اور دلیل کی ہے۔ چونکہ حدیث قرآن کی وضاحت کرتی ہے، اس لیے اس کی حیثیت بھی تشریعی ہے۔ یہ عقیدہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا ہے۔

حضور (ﷺ) کے تشریعی کام کی نوعیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں ایک خاص طریقہ استعمال کیا ہے۔ اس نے قرآن میں کچھ مجمل احکام اور ہدایات دیں، یا کچھ اصول بیان کیے، یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کیا۔ پھر اس نے اپنے رسول محمد (ﷺ) کو اختیار دیا کہ وہ نہ صرف اس قانون کی تفصیلی شکل لفظی طور پر مرتب کریں، بلکہ عملی طور پر اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھا دیں۔ یہ اختیارات کا فرمان خود قرآن مجید کے متن میں موجود ہے:۔﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾[4] ("اور اے محبوب ہم نے تمہاری ہی طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا")

3 "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: فاعقلوا أيها الناس قولي فإني قد بلغت وقد تركت فيكم أيها الناس ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا، كتاب الله وسنة نبيه"--ابو عبداللہ محمد بن نصر بن حجاج المروزی (م:294ھ)، السنۃ (بیروت: موسسۃ الکتب الثقافیۃ، 1408ھ)، رقم الحدیث:68، ص24۔

4 النحل:16:44۔

اس صریح فرمانِ تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ (ﷺ) کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ یہ درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے، اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پروانۂ تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔

امام طحاویؒ کا اسلوب

حدیث کی تشریعی حیثیت کو امام طحاوی نے مثالوں سے واضح کیا ہے، مثالوں کے ساتھ ساتھ امام طحاویؒ نے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

مثال نمبر 1: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾[5] (توتم اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔)

آیت کے اس حصے میں ارکانِ وضو میں سے دو(۲) ارکان کو بیان فرمایا گیا یعنی چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے لیکن اس آیت میں دھونے کی تعداد بیان نہیں فرمائی کہ اعضاء کو کتنی مرتبہ دھونا ہے۔ اس سلسلے میں احادیثِ کریمہ بطورِ تشریع ہمیں اس سوال کا جواب بڑے جامع انداز میں فراہم کرتی ہیں اور احادیث میں بھی اس تعداد کو متفقہ طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ کسی حدیث میں ایک مرتبہ دھونے کا حکم ہے، کسی حدیث میں دو مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور کسی حدیث میں تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے لہذا پہلے ہم ان احادیث کو بطورِ استشہاد پیش کرتے ہیں پھر ان کا تجزیہ بیان کریں گے کہ کس حدیث پر عمل کیا جائے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے آپ نے لوگوں سے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ (ﷺ) کے وضو کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ کہ وہ ایک ایک اعضاء کو دھوتے تھے یا فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھوتے تھے[6]۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی پاک (ﷺ) وضو کرتے ہوئے تمام اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا کرتے تھے، اور اس سے ہمیں بھی پتہ چلا کہ وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھونا چاہیے۔

---

5 المآئدہ:6:5۔

6 "عن ابن عباس، قال: ألا أخبركم بوضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ «فتوضأ مرة مرة»"۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، جعفی، الجامع الصحیح (دمشق: دار ابن کثیر، 1993ء) ، كتاب الْوُضُوءِ ، باب: الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً، رقم الحدیث:156، ج1ص70۔

حضرت یحییٰ نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے پوچھا: کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کیسے وضو فرماتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن زید نے جواب دیا: ہاں! پھر آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا اور اُسے اپنے دائیں ہاتھ پر ڈالا اور ہاتھ کو دو (۲) مرتبہ دھویا، پھر آپ نے تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی چڑھا کر ناک صاف کیا، پھر آپ نے اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھویا، پھر آپ نے اپنے سر کا مسح کیا اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے اگلے حصے پر رکھ کر پیچھے گردن کی طرف لے گئے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو وہاں سے سر کے اگلے حصے کی طرف مسح کرتے ہوئے واپس لائے، پھر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے[7]۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی پاک (ﷺ) وضو کرتے ہوئے تمام اعضاء وضو کو دو دو مرتبہ دھویا کرتے تھے، اور اس سے ہمیں بھی پتہ چلا کہ وضو میں اعضاء کو دو دو مرتبہ دھونا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا تو آپ نے کلی کی اور ناک صاف کیا اور آپ نے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا پس آپ نے وضو کرتے ہوئے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا، پھر کہا: ”یہ رسول اللہ (ﷺ) کی طہارت ہے[8]۔

---

7 "عن عمرو بن يحيى بن عمارة، عن أبيه، عن عبد الله بن زيد بن عاصم الأنصاري، – وكانت له صحبة – قال: قيل له: توضأ لنا وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم: فدعا بإناء فأكفأ منها على يديه فغسلهما ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها فمضمض، واستنشق من كف واحدة ففعل ذلك ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها فغسل وجهه ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها فغسل يديه إلى المرفقين مرتين مرتين، ثم أدخل يده فاستخرجها فمسح برأسه فأقبل بيديه وأدبر، ثم غسل رجليه إلى الكعبين"۔۔ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی (م:321ھ)، احکام القرآن الکریم (استنبول: مرکز البحوث الاسلامیۃ، 1995ء)، كتاب الطهارات ،رقم الحدیث:23، ج1ص75۔

8 عن علي: أنه «دعا بوضوء، فتمضمض واستنشق، ونثر بيده اليسرى ففعل هذا ثلاثا» ، ثم قال: «هذا طهور نبي الله صلى الله عليه وسلم»۔۔ابوداود سلمیان بن اشعث ازدی سجستانی (م:275ھ)، السنن (مصر: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009ء)، كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحدیث:111۔ ج1ص80۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی پاک (ﷺ) وضو کرتے ہوئے تمام اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھویا کرتے تھے، اور اس سے ہمیں بھی پتہ چلا کہ وضو میں اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا چاہیے۔

امام طحاوی کا نقطۂ نظر: ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی پاک (ﷺ) نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے اعضاء وضو کو کبھی ایک مرتبہ، کبھی دو مرتبہ اور کبھی تین مرتبہ دھوتے تھے۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیت سے ثابت ہونے والے حکم سے مراد صرف یہ ہے کہ وضو کرنا فرض ہے اور ایک مرتبہ اعضاء دھونے سے فرضِ وضو والا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ رہی بات ایک سے زائد مرتبہ اعضاء کو دھونے کی، تو ایک سے زائد مرتبہ اعضاء کو دھونا مباح ہے، اب اگر کوئی چاہے تو ایک مرتبہ اعضاء دھولے، چاہے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اعضاء وضو دھولے، اس میں کسی امام کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[9]

امام طحاوی اپنی دوسری کتاب "شرح معانی الآثار" میں اس مسئلے کے بارے میں کچھ یوں فرماتے ہیں: احادیث سے ثابت ہوا کہ اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا صرف فضیلت حاصل کرنے کے لیے ہے، فرض نہیں ہے۔[10]

مثال نمبر 2: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾[11] (اپنے سروں پر مسح کرلو۔)

آیتِ کریمہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے ارکانِ وضو میں سے ایک رکن کو بیان فرمایا کہ "اپنے سروں پر مسح کرلو" لیکن اس آیت میں اس بات کی وضاحت مذکور نہیں ہے کہ کیا پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا سر کے کسی ایک حصے کا مسح کرنے سے فرض ساقط ہو جائے گا؟ لہذا احادیث کی مدد سے اس درپیش مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے اور جن احادیث میں مسح کا ذکر ہے وہ اس آیت کے ضمن میں آئین اور قانون کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ انہی احادیث سے معلوم ہوگا کہ سر کے مسح کی فرض مقدار کیا ہے؟ تاکہ اس رکن کی فرضیت کو احسن انداز سے ادا کیا جا سکے۔ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے جس کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ تحقیق سے راجح قول کو ثابت کیا جا سکے۔

---

9 الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص75۔

10 ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ازدی طحاوی (م: 321ھ)، شرح معانی الآثار (مصر: عالم الکتب، 1994ء)، ج1 ص30۔

11 المآئدہ: 6۔

پہلا گروہ: بعض اہل علم حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے۔([12]) جن حضرات کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے اُن سے مراد "امام مالک" ہیں۔([13])

نقلی دلیل: حضرت طلحہ بن مصرف اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو دیکھا آپ (ﷺ) نے سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا حتیٰ کہ (اپنا ہاتھ) اپنی گردن تک لے گئے[14]۔

عقلی دلیل: امام طحاوی فرماتے ہیں ان علماء کا مؤقف یہ ہے کہ یہ روایت اور اس کے علاوہ دیگر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وضو میں پورے سر کا مسح کرنا "فرض" ہے جیسا کہ دیگر اعضاء وضو کو مکمل دھونا فرض ہے۔[15]

دوسرا گروہ: ان حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ وضو میں مکمل سر کا مسح فرض نہیں ہے بلکہ سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا فرض ہے۔([16]) اس گروہ میں چند علماء کا نام سر فہرست ہے: امام اعظم ابو حنیفہ، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد، اور عام کوفہ کے علماء۔([17])

نقلی دلیل: حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرم (ﷺ) نے وضو فرمایا اس حال میں کہ آپ (ﷺ) کے سر پر عمامہ مبارک تھا، آپ (ﷺ) نے عمامے پر اور پیشانی پر مسح فرمایا[18]۔

امام طحاوی کہتے ہیں کہ دوسرے گروہ کے علماء فرماتے ہیں: جب نبی پاک (ﷺ) نے اپنی پیشانی والے سر کے حصے پر مسح کیا اور بقیہ سر پر مسح نہ کیا تو معلوم ہوا کہ مسح کی فرض مقدار پیشانی کی مقدار ہی ہے۔[19]

---

12 الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص77۔

13 ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد، ابن رشد الحفید، القرطبی (م:595ھ)، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (قاہرۃ: دار الحدیث، 2004ء، ج1 ص19۔

14 "عن طلحة بن مصرف، عن أبيه، عن جده قال: «رأيت النبي صلى الله عليه وسلم مسح مقدم رأسه حتى بلغ القذال. مؤخر الرأس من مقدم عنقه»۔۔الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص77۔

15 محولہ بالا۔

16 محولہ بالا۔

17 محولہ بالا۔

18 "عن المغيرة بن شعبة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ وعليه عمامة فمسح على عمامته ومسح بناصيته"۔۔الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص78۔

19 محولہ بالا۔

عقلی دلیل 1۔ امام طحاوی ن کہا کہ بعض معترضین نے کہا کہ نبی پاک (ﷺ) نے عمامہ پر مسح فرمایا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عمامہ پر مسح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور اگر ایسا ہو تا تو جب تک پورے سر کا مسح نہ کر لیا جاتا اُس وقت تک یہ حکم مکمل نہیں ہوتا، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کیونکہ مسح علی الرأس ایسے ہی ہے جیسے موزوں پر مسح کرنا ہے، پھر تو لازم آئے گا کہ جب تک دونوں پاؤں کا مکمل طور پر مسح نہ کر لیا جائے اُس وقت تک موزوں پر مسح مکمل نہ ہو گا، حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ تو پتہ چلا کہ سر کا مسح صرف پیشانی والے حصے کی طرف سے ہی فرض ہے اور اس کے علاوہ جو عمامہ پر مسح کیا گیا وہ ایک زائد چیز ہے، فرض نہیں ہے۔[20] امام طحاوی نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا ثبوت بھی حدیث سے ملتا ہے اور ایک حدیث میں مسح کی وضاحت میں سر کے اگلے حصے کا صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے۔

حضرت سالم اپنے والد حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ وضو کرتے تو سر کے اگلے حصے کا مسح کرتے تھے[21]۔

عقلی دلیل 2۔ امام طحاوی فرماتے ہیں: سر کے مسح کو موزوں والے مسح پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ موزوں پر مسح کرنے کی صورت میں دونوں مکمل پاؤں کا مسح نہیں ہوتا بلکہ صرف پاؤں کے اوپر والے حصوں پر انگلیوں کے ایک خط کھینچتے ہیں اور اسی کو مسح شمار کر لیا جاتا ہے اس کے علاوہ نہ تو پاؤں کے پچھلے حصوں کا، نہ ہی ایڑھیوں کا اور نہ ہی پاؤں کے نچلے حصے کا مسح کیا جاتا ہے۔ تو اسی طرح سر پر مسح کرنے والی صورت میں صرف سر کے کچھ حصے کا ہی مسح فرض ہے جو کہ سر کا چوتھائی حصہ بنتا ہے اس کے علاوہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے۔[22]

امام طحاوی مزید فرماتے ہیں: مسح علی الرأس کو تیمم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تیمم میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مکمل مسح کیا جاتا ہے، حالانکہ وضو میں پورے سر پر مسح نہیں کیا جاتا، تو معلوم ہوا کہ مسح علی الرأس بنسبت تیمم کے مسح علی الخفین کے زیادہ مشابہ ہے۔ اسی لیے اس پر (مسح علی الرأس) مسح علی الخفین والا حکم لگایا جائے گا۔[23]

---

20 محولہ بالا۔

21 "عن سالم، عن أبيه «أنه كان يمسح بمقدم رأسه إذا توضأ»۔۔ محولہ بالا۔

22 الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص79۔

23 ایضاً، ج1 ص78۔

مثال نمبر3: ﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى ﴾[24] (اور اگر تم بیمار ہو ۔)

آیت کے اس حصے میں وہ چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہوتا ہے ان میں سے ایک چیز "مرض" بھی ہے لیکن اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ یہاں کونسا مرض مراد ہے؟ بلکہ یہ ایک حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس مریض سے مراد وہ آدمی ہے جو اللہ کی راہ میں ہو، اس حال میں کہ وہ چیچک زدہ ہو اور اس کے جسم میں دُنبل (پھوڑا) ہو جس کے اندر پیپ جمع ہو، جب ان کو اس بات کا خوف ہو کہ پانی سے اپنے اعضاء کو دھوئیں گے تو مر جائیں گے، اس وقت وہ تیمم کر سکتے ہیں[25]۔

امام طحاوی کا نقطۂ نظر: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہاں مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کہ پانی کے استعمال سے موت کا خوف ہو۔ اسی طرح قرآن میں ایک دوسرے مقام پر مریض کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمائی ہے ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [26] تو اس آیت میں مرض سے مراد "موت کا خوف" والا مرض ہے اور اس کے ساتھ روزے کا ذکر ہے۔ اسی آیتِ تیمم میں مرض سے مراد بھی وہی مرض ہے جس سے مرنے کا خوف ہے حالانکہ اس آیت میں وضو کا بھی ذکر ہے۔ یہ امام مالک، امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔[27]

اس حدیث میں بڑے احسن انداز سے حائضہ عورت کی طہارت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، حالانکہ قرآنی آیت کے ظاہر سے یہ طریقہ معلوم نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث بطورِ تشریع اس آیت میں بیان کیے گئے حکم کی وضاحت کر رہی ہے اور اسی حدیث سے اُمتِ مسلمہ کی عورتوں کے لیے ایک قانون اور آئین بن گیا ہے کہ جب بھی وہ حالتِ حیض سے فارغ ہوں گی تو اس طریقے کے ذریعے پاک ہوں گی۔

---

24 المآئدہ:6۔

25 "عن ابن عباس [وانْ كُنتمْ مَّرْضٰى] قال :هو المجدور و صاحب القرحة فى سبيل الله اذا خاف ان هو اغتسل بالماء ان يموت تيمم"۔۔الطحاوی، احکام القرآن، ج1ص93۔

26 البقرۃ:184

27 الطحاوی، احکام القرآن، ج1ص93۔

مثال نمبر4: ﴿"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ"﴾[28] اے ایمان والو!جب جمعہ کے دن(جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ یہ آیت محکم ہے مگر یہاں کیفیتِ اذان کا ذکر نہیں ہے اس کے علاوہ پورے قرآن میں بھی اذان کی کیفیت کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔لہذا اس کی تشریح احادیث کے ذریعے حاصل کرتے ہیں([29])۔

چنانچہ حضرت سالم سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں بے شک رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمانوں سے اس معاملے کے بارے میں مشورہ کیا کہ کس چیز کے ذریعے اُنھیں نماز کے لیے بلایا جائے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا:بِگل (سینگ) ٹھیک رہے گا، نبی پاک (ﷺ) نے یہود کی وجہ سے اُسے ناپسند فرمایا۔ پھر صحابہ کرام نے ناقوس مشورہ دیا، مگر نبی پاک (ﷺ) نے نصرانیوں کی وجہ سے اُسے بھی ناپسند فرمایا۔ پھر ایک رات کسی انصاری صحابی کو خواب میں اذان کا طریقہ بتایا گیا، اس کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن زید اور حضرت عمر نے بھی خواب میں اذان کا طریقہ دیکھا، پس وہ انصاری صحابی رات ہی میں نبی پاک (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ نبی پاک (ﷺ) نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، امام زہری فرماتے ہیں: حضرت بلال نے نمازِ فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کا اضافہ کیا تو رسول اللہ (ﷺ) نے اس اضافے کو برقرار رکھا۔ پس حضرت عمر نے کہا: میں نے بھی خواب میں وہی کچھ دیکھا جو انصاری صحابی نے دیکھا تھا لیکن وہ مجھ سے پہلے ہی نبی پاک (ﷺ) کی بارگاہ میں چلے گئے۔

ایک اور حدیث میں اسی طرح اذان کا حکم خواب کے ذریعے حاصل ہونے کا اشارہ مل رہا ہے۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت انس سے روایت ہے صحابہ کرام نے نماز کی دعوت کے لیے ناقوس بجانے اور آگ بلند کرنے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ ایک صحابی کو اذان والا خواب آیا تو رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ دہرائیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ دہرائیں[30]۔

---

28 الجمعہ:9۔

29 الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص93۔

30 "عن أنس بن مالك قال : كانوا قد ارادوا ان يضربوا بالناقوس وان يرفعوا نارا لاعلام بالصلاة حتي اری ذلک الرجل تلک الرؤيا فأمر بلالا ان يشفع الاذان و يوتر الاقامة" ۔۔الطحاوی، احکام القرآن، ج1 ص139۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو بلانے کا طریقہ صرف "اذان" ہے اور یہ ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اذان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ شروع نہیں ہوا کہ جس کے ذریعے سے لوگوں کو نماز کے لیے ندا دی جائے، حالانکہ اذان کے علاوہ نماز کی طرف بلانے کے لیے صحابہ کرام نے مختلف آراء پیش کیں جیسا کہ " بوق " اور " ناقوس " وغیرہ کا مشورہ دیا گیا مگر یہ آراء بارگاہِ رسالت میں قابلِ قبول نہ ہو سکیں کیونکہ پہلی چیز کے ذریعے قومِ یہود اپنی عبادت کے لیے لوگوں کو جمع کرتے تھے جب کہ دوسری چیز کے ذریعے قومِ نصاریٰ اپنی عبادت کے لیے لوگوں کو جمع کرتے تھے اسی وجہ سے ان دونوں چیزوں کی نبی پاک (ﷺ) نے اجازت عطا نہ فرمائی، لہٰذا یہی شرعی طور پر مقرر ہو گیا۔

مثال نمبر5: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ [31] اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک سے زائد مقامات پر نماز قائم کرنے اور اس کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے، لیکن قرآن میں کسی مقام پر بھی نماز کی کیفیت کو بیان نہیں کیا گیا، نہ نماز کے اوقات کو اور نہ ہی یہ بیان کیا گیا کہ نمازیں کل کتنی فرض ہیں۔ یہ تمام چیزیں احادیثِ کریمہ میں بیان کی گئی ہیں اور یہ احادیث اپنی تشریعی حیثیت سے قرآن کی ان آیات کی وضاحت کرتی ہیں۔ سب سے پہلے وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس میں کل فرض نمازوں کی تعداد بیان کی گئی ہے:

"ابن حزم اور انس بن مالک (رض) کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، جب میں یہ فریضہ لے کر لوٹا، تو موسیٰ (علیہ السلام) پر گذرا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ نے آپ کے لئے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں، انہوں نے (یہ سن کر) کہا کہ اپنے اللہ کے پاس لوٹ جائیے، اس لئے کہ آپ کی امت (اس قدر عبادت کی) طاقت نہیں رکھتی، تب میں لوٹ گیا، تو اللہ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا، پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا کہ اللہ نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پھر وہی کہا کہ اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے، کیونکہ آپ کی امت (اس کی بھی) طاقت نہیں رکھتی، پھر میں نے رجوع کیا تو اللہ نے ایک حصہ اس کا (اور) معاف کر دیا، پھر میں ان کے پاس لوٹ کر آیا اور بیان کیا تو وہ بولے کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جائیں، کیونکہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ پھر میں نے اللہ سے رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا کہ اچھا (اب) یہ پانچ

---

31 البقرۃ:43، 83، 110۔

(رکھی) جاتی ہیں اور یہ (درحقیقت باعتبار ثواب کے) پچاس ہیں، میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، پھر میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا، انہوں نے کہا پھر اپنے پروردگار سے رجوع کیجئے، میں نے کہا (اب) مجھے اپنے پروردگار سے بار بار کہتے ہوئے حیاء آتی ہے"[32]۔

اب وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جس میں ان پانچ نمازوں کے اوقات مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے جبرائیل (علیہ السلام) نے دو مرتبہ خانہ کعبہ کے پاس میری امامت کی ہے ایک دن تو انہوں نے ایسے وقت میں مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور ہر چیز کا سایہ جوتے کے تسمہ کے برابر ہو گیا اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور مغرب کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جب شفق غائب ہو گئی اور فجر کی نماز اس وقت میں پڑھائی جب روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے پھر دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو گیا اور مغرب کی نماز پڑھائی جب روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی تہائی رات پر اور فجر کی نماز پڑھائی روشنی پھیلنے پر، اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ ہے تم سے پہلے انبیاء کی نمازوں کا وقت اور مستحب وقت انہی دو وقتوں کے درمیان ہے[33]۔

---

32 بخاری، الجامع الصحیح، كِتَاب الْأَنْبِيَاءِ، بَاب: ذِكْرِ إِدْرِيسَ عليه السلام، رقم الحدیث: 3164، ج3ص1218۔ / الطحاوی، احکام القرآن، ج1ص166۔

33 "عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أمني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس وكانت قدر الشراك، وصلى بي العصر حين كان ظله مثله، وصلى بي يعني المغرب حين أفطر الصائم، وصلى بي العشاء حين غاب الشفق، وصلى بي الفجر حين حرم الطعام والشراب على الصائم، فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه، وصلى بي المغرب حين أفطر الصائم، وصلى بي العشاء إلى ثلث الليل، وصلى بي الفجر فأسفر» ثم التفت إلي فقال: «يا محمد، هذا وقت الأنبياء من قبلك، والوقت ما بين هذين الوقتين»"۔ ابوداود، سنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب المواقيت، رقم الحدیث: 393، ج1ص293۔ / الطحاوی، احکام القرآن، ج1ص168۔

ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ نمازوں کی تعداد اور اس کے اوقات کا بیان قرآن سے معلوم نہ ہوا تھا بلکہ انہی احادیث سے معلوم ہوا جو کہ ایک قانون کی حیثیت رکھتی ہیں۔اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف قرآن ہی سب کچھ حاصل کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے بلکہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہے۔

خلاصہ

ا۔مولانا ابو الاعلی مودودی حدیث کی تشریعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے نبی پاک (ﷺ) کو تشریعی اختیارات (Legislative Powers) عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے، بلکہ جو کچھ نبی پاک (ﷺ) نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضور (ﷺ) نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے، اس لیے وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے"۔

۲۔ حدیثی احکام کی تین صورتیں ہیں: **پہلے** احکام تو وہ جو من کل الوجوہ قرآن کے موافق ہوں، **دوسرے** احکام وہ جو قرآن کی تفسیر اور بیان کی حیثیت رکھتے ہوں، **تیسرے** احکام وہ جن سے کسی چیز کا وجوب یا اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔اعضاء وضو کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، کسی حدیث میں ایک مرتبہ دھونے کا حکم ہے، کسی حدیث میں دو مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور کسی حدیث میں تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے

۴۔اس مسئلے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا سر کے کسی ایک حصے کا مسح کرنے سے فرض ساقط ہو جائے گا، جب امام طحاوی نے بڑے جامع انداز میں اس مسئلے کو حل کیا ہے

سفارشات:

شریعتِ اسلامیہ کا اول ماخذ قرآن ہے تو دوسرا حدیث ہے، اس لیے کہ کتاب اللہ کی بنیاد اصول اور قوانین پر ہے اور حدیث مبارکہ میں اس کی تشریح اور توضیح ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علماء کرام نے حدیث کی تشریعی حیثیت کی حجیت کو اپنے اپنے انداز میں کتب حدیث میں رقم کیا ہے۔ علامہ طحاوی نے بھی حدیث کی تشریحی حیثیت کو دلائل

سے اور مثالوں سے مزین کیا ہے۔ اس بارے میں ہمیں دیگر علماء کرام کا نقطہ نگاہ کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنانا چاہیے۔ آج کے اس دور میں سکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں اس پر باقاعدہ سیمینار ہونے چاہیے تاکہ طلبہ وطالبات کا حدیث کی حجیت، اس کی تشریعی حیثیت میں نقطہ نگاہ واضح رہے۔